

مخلوط نظام تعلیم کے جواز و عدم جواز کے بارے میں روایتی و عصری فقہی مباحث: ایک تحقیقی مطالعہ

A Study of Traditional and Contemporary Jurisprudential Debates on the Permissibility and Impermissibility of Coeducational Education.

Abida Ishaq

Lecturer Islamic Studies, Department of Film and Broadcasting,

Quaid E Azam Campus University of the Punjab, Lahore

Email: abidaishaq1990@gmail.com

Abstract

This research examines the conceptual framework of education within Islam, specifically focusing on the principles of gender equality and the challenges posed by modern educational systems. The study establishes that the Islamic concept of knowledge is universal and non-discriminatory, rooted in the first Quranic revelation, "Iqra" (Read), which addresses all of humanity. By analyzing the life of Aisha bint Abi Bakr (RA) and the historical contributions of female scholars (Al-Muhaddithat), the paper highlights that Islam historically provided women with intellectual rights long before other civilizations. However, the research identifies a significant contemporary tension between traditional Islamic values of Haya (modesty) and the Western model of co-education. The study provides a critical analysis of co-education from psychological, sociological, and jurisprudential perspectives. It reviews the landmark

resolutions of the Islamic Fiqh Academy (India) and the International Islamic Fiqh Academy (Jeddah), particularly Resolution No. 239, which reaffirms education as an obligatory right for women while condemning extremist bans. The paper further explores the "Principle of Necessity" (Darurah) concerning medical and technical education, where gender intermingling is temporarily permitted under strict ethical guidelines to serve the community's essential needs. Finally, the research proposes alternative administrative models—such as double-shift systems, physical partitions, and the promotion of single-sex institutions—to bridge the gap between modern academic excellence and Islamic moral integrity. It concludes that the future of Muslim education lies in "Alternative Modernity," where scientific advancement coexists with the preservation of religious identity.

Keywords : Islamic Education, Gender Equality, Co-education (Intermingling), Haya (Modesty), Islamic Fiqh Academy, Women's Right to Education, Principle of Necessity (Darurah), Al-Muhaddithat, Educational Reforms, Moral Pedagogy

تمہید

انسانی معاشرت کی بنیادوں میں تعلیم و تربیت کو مرکزی مقام حاصل ہے، اور اسلامی فکری روایت میں علم کا حصول محض ایک دنیاوی ضرورت نہیں بلکہ ایک مقدس فریضہ اور خالق کائنات کی معرفت کا ذریعہ رہا ہے۔ تاہم، عصر حاضر میں جب نوآبادیاتی دور کے بعد مغربی تعلیمی نظام نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیا، تو مسلم دنیا کو ایک سنگین چیلنج کا سامنا کرنا پڑا، اور وہ چیلنج "مخلوط نظام تعلیم" (Co-education) کی صورت میں نمودار ہوا۔ یہ مطالعہ اس پیچیدہ مسئلے کا علمی، تحقیقی اور فقہی تجزیہ پیش کرتا ہے، جس میں روایتی فقہی اصولوں سے لے کر جدید فقہی اکیڈمیوں کے فیصلوں تک تمام جہات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس تحقیق میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا اور بین الاقوامی اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ کے اہم فتاویٰ، الگ تعلیمی اداروں کی ضرورت کے نفسیاتی و عمرانی پہلوؤں، اور تعلیمی ماحول میں ڈریس کوڈ کے ضوابط پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

تعلیم کی اسلامی اساس اور صنفی مساوات: ایک ہمہ گیر جائزہ

اسلامی تعلیمات میں علم کا تصور کسی خاص صنف، رنگ یا نسل تک محدود نہیں ہے، بلکہ وحی الہی کا پہلا لفظ "اقرأ" (پڑھ) پوری انسانیت کے لیے ایک عام اور آفاقی پکار تھی جس نے جہالت کے اندھیروں میں علم کی شمع روشن کی۔ قرآن کریم نے بارہا عقل، تدبر اور تفکر کی دعوت دی ہے اور "ہل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون" (کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟) جیسے سوالات کے ذریعے عالم اور جاہل کے درمیان واضح فرق قائم کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے علم کے حصول کو ہر مسلمان مرد اور عورت پر "فرض" قرار دے کر اس امر کی حتمی توثیق فرمائی کہ معاشرے کی فکری اور اخلاقی تعمیر نو میں خواتین کا علمی کردار مردوں سے کسی طور کم نہیں ہے۔ اسلام کی نظر میں علم محض معلومات کا ذخیرہ نہیں بلکہ یہ خالق کی پہچان اور کائنات کے اسرار و رموز تک پہنچنے کا ذریعہ ہے، اور اس فریضے کی ادائیگی میں صنف کی کوئی تفریق آڑے نہیں آتی۔^(۱)

اسی طرح نصر کے مطابق:

"اسلام نے علم کو "نور" قرار دیا ہے جو ہر انسانی روح کے لیے ناگزیر ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ روح مرد کی ہے یا عورت کی۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی اسلامی معاشرے میں خواتین کی تعلیم و تربیت پر اتنی ہی توجہ دی گئی جتنی مردوں پر، کیونکہ ایک تعلیم یافتہ عورت ہی ایک صالح نسل کی ضامن بن سکتی تھی۔"^(۲)

تاریخی طور پر، اسلام نے خواتین کو وہ تعلیمی اور سماجی حقوق عطا کیے جن سے قرون وسطیٰ کی دیگر تہذیبیں بالکل ناواقف تھیں اور جہاں عورت کو علم سے دور رکھنا ہی پارسائی سمجھا جاتا تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روشن مثال ہمارے سامنے ہے، جو نہ صرف علم حدیث، تفسیر اور فقہ کی مستند ترین استاد تھیں بلکہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرامؓ پیچیدہ علمی اور قانونی مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ ہزاروں محدثات اور فقیہات نے اپنے وقت کے بڑے بڑے علماء کو درس دیا، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام نے عورت کی علمی ترقی کی راہ میں کبھی کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کی۔ اس علمی سفر میں حیا، پردہ اور غیر ضروری اختلاط سے اجتناب کے اصولوں کو ہمیشہ ملحوظ رکھا گیا تاکہ معاشرتی اقدار پامال نہ ہوں۔ اسلامی فقہ نے تعلیم کے حق کو تسلیم کرتے ہوئے اسے اخلاقی حدود کے ساتھ مشروط کیا ہے تاکہ فرد اور معاشرہ دونوں کی عفت محفوظ رہے۔^(۳)

جدید دور میں اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ عورت کو تعلیم دی جائے یا نہیں، کیونکہ اس پر اب تقریباً تمام مکاتب فکر کا اتفاق ہو چکا ہے، بلکہ اصل تنازع اس نظام اور ماحول کا ہے جس کے تحت یہ تعلیم فراہم کی جا رہی ہے۔ مغربی نظام تعلیم نے جس "مخلوط معاشرت" (Co-education) اور آزادانہ میل جول کی بنیاد رکھی، وہ اسلامی تصور حیا اور اس خاندانی ڈھانچے سے متصادم محسوس ہوتی ہے جسے اسلام تحفظ فراہم کرنا چاہتا ہے۔ اسی فکری تضاد کی وجہ سے روایتی اور عصری فقہی مباحث کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا، جہاں ایک طرف جدیدیت کے علمبردار ہر قسم کی پابندی کو تعلیم کی راہ میں رکاوٹ قرار دیتے ہیں، تو

دوسری طرف علمائے کرام ایسے تعلیمی ماڈلز کی ضرورت پر زور دیتے ہیں جہاں خواتین کے لیے الگ تعلیمی ادارے اور پرامن ماحول میسر ہو۔⁽⁴⁾ بنت الشاطی کے مطابق:

"حل یہ نہیں کہ خواتین کو گھروں میں بٹھا دیا جائے، بلکہ حل یہ ہے کہ ایسے تعلیمی ادارے قائم کیے جائیں جو اسلامی اقدار اور عصری علوم کا بہترین امتزاج پیش کریں، تاکہ مسلمان خواتین بغیر کسی سمجھوتے کے جدید دنیا کے چیلنجز کا مقابلہ کر سکیں۔"⁽⁵⁾

مخلوط نظام تعلیم: مفہوم، تاریخ اور ارتقاء

مخلوط تعلیم (Co-education) سے مراد ایک ایسی تعلیمی وضع یا طریقہ کار ہے جہاں لڑکے اور لڑکیاں جنس کی تفریق کے بغیر ایک ہی تعلیمی ادارے، ایک ہی کلاس روم اور ایک ہی اساتذہ کے زیر سایہ مشترکہ طور پر تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اس نظام کا بنیادی فلسفہ اس لبرل مفروضے پر قائم ہے کہ دونوں اصناف کے ایک ساتھ مل کر پڑھنے سے ان کے درمیان سماجی ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے، ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور وہ عملی زندگی کے ان چیلنجز کے لیے بہتر طور پر تیار ہوتے ہیں جہاں انہیں ایک ساتھ کام کرنا ہوتا ہے۔ حامیوں کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ یہ نظام تعلیمی وسائل کی بچت کا باعث بنتا ہے اور صنفی مساوات کے تصور کو مستحکم کرتا ہے۔ اس نظام پر تنقید کرنے والے ماہرین نفسیات کا ماننا ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کے سیکھنے کے انداز اور نفسیاتی ضروریات مختلف ہوتی ہیں، لہذا ایک ہی سانچے میں دونوں کو ڈھالنا علمی استعداد پر منفی اثر ڈال سکتا ہے۔ ٹائیک کے مطابق:

"مخلوط تعلیم محض ایک تعلیمی انتخاب نہیں بلکہ ایک سماجی تجربہ ہے جس کے دور رس اثرات انسانی رویوں پر مرتب ہوتے ہیں۔"⁽⁶⁾

مغربی دنیا میں اس نظام کی جڑیں سترہویں اور اٹھارہویں صدی کی ان تعلیمی اصلاحات میں ملتی ہیں جنہوں نے کلیسا کے تعلیمی تسلط کو چیلنج کیا اور عوامی تعلیم (Public Education) کے تصور کو عام کیا۔ امریکہ میں 1774ء میں اس کا باقاعدہ آغاز ہوا جب کچھ ابتدائی اسکولوں میں لڑکیوں کو لڑکوں کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت دی گئی، جبکہ انگلستان اور فرانس جیسے روایتی یورپی ممالک میں انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں اسے قانونی تحفظ اور سماجی قبولیت حاصل ہوئی۔ صنعتی انقلاب کے بعد جب خواتین کی افرادی قوت کی ضرورت محسوس ہوئی، تو تعلیمی نظام میں اس تبدیلی کو مزید تقویت ملی۔ ہینسن کے مطابق:

"یہ نظام لبرل ازم اور نسائی تحریکوں کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ تھا جس کا مقصد تعلیم تک یکساں رسائی کو یقینی بنانا تھا۔"⁽⁷⁾

اسلامی ممالک میں یہ نظام براہ راست نوآبادیاتی تسلط (Colonialism) کے دوران متعارف ہوا، جب برطانوی، فرانسیسی اور اطالوی تعلیمی ماڈلز کو مقامی مسلم آبادیوں پر ان کی ثقافتی اور مذہبی اقدار کو نظر انداز کرتے ہوئے مسلط کیا گیا۔ استعماری حکمرانوں کا خیال تھا کہ مقامی روایتی نظام تعلیم پسماندہ ہے اور جدیدیت کی طرف سفر کے لیے مغربی طرز کا مخلوط نظام ضروری ہے۔ آج صورتحال یہ ہے کہ مسلم دنیا میں اعلیٰ تعلیم، بالخصوص سائنس، طب، ٹیکنالوجی اور انجینئرنگ کے شعبوں میں

مخلوط نظام ایک ناگزیر حقیقت بن چکا ہے، کیونکہ الگ تعلیمی ڈھانچے قائم کرنا معاشی طور پر ایک بڑا چیلنج بن چکا ہے۔ اس صورتحال نے جدید فقہاء اور مسلم مفکرین کے سامنے نئے اور پیچیدہ سوالات کھڑے کر دیے ہیں کہ کس طرح اسلامی حدود و قیود اور "حیا" کے تصور کو برقرار رکھتے ہوئے اس ناگزیر نظام سے فائدہ اٹھایا جائے۔⁽⁸⁾ اسی طرح رمضان کے مطابق: "مسلم دنیا کو ایک ایسے متبادل جدید تعلیمی ماڈل کی ضرورت ہے جو عصری تقاضوں اور مذہبی اصولوں کے درمیان توازن پیدا کر سکے۔"⁽⁹⁾

روایتی فقہی نقطہ نظر اور اختلاط کے احکام

اسلامی فقہ میں "اختلاط مرد و زن" (Intermingling of genders) کو ایک ایسا حساس معاشرتی مسئلہ سمجھا جاتا ہے جو اگر قابو سے باہر ہو جائے تو ان تمام اخلاقی و سماجی خرابیوں کی جڑ بن جاتا ہے جو معاشرے کے بنیادی ڈھانچے کو کمزور کرتی ہیں۔ فقہاء نے اس مسئلے کو بنیادی طور پر "سد ذرائع" (Blockage of means) کے اصول کے تحت پرکھا ہے۔ یہ اصول اس بات پر زور دیتا ہے کہ وہ کام جو اپنی اصل میں شاید حرام نہ ہو، لیکن اگر وہ کسی بڑے گناہ یا حرام فعل تک پہنچانے کا قوی اور یقینی ذریعہ بن رہا ہو، تو اسے بھی روکنا واجب ہے۔ تعلیم کے سیاق و سباق میں اختلاط کو اسی لیے ناپسندیدہ سمجھا گیا کہ یہ صنفی کشش کے فطری رجحان کو ہوا دیتا ہے، جو تعلیمی یکسوئی میں مغل ہونے کے ساتھ ساتھ اخلاقی حدود کی پامالی کا راستہ کھول سکتا ہے۔⁽¹⁰⁾

روایتی فقہاء کے نزدیک بلوغت کے بعد لڑکوں اور لڑکیوں کا بلا ضرورت ایک جگہ اکٹھا ہونا یا مسلسل میل جول رکھنا ایک ایسا "فتنہ" ہے جو قلبی و ذہنی تشویش کا موجب بنتا ہے۔ اس موقف کی تائید میں قرآن کریم کی وہ آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں "غض بصر" (نگاہوں کو نیچا رکھنے)، پردے کے شرعی احکامات کی پابندی کرنے اور غیر محرموں سے گفتگو کے دوران لہجے میں پلک نہ پیدا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ احادیث مبارکہ میں بھی اس حوالے سے سخت تنبیہ موجود ہے کہ جب ایک نامحرم مرد اور عورت تنہائی میں ملتے ہیں تو وہاں تیسرا شیطان ہوتا ہے، جو وسوسہ اندازی کے ذریعے گناہ کی ترغیب دیتا ہے۔ اگرچہ ایک تعلیمی ادارہ ممکنہ طور پر "خلوت" (تنہائی) کے زمرے میں نہیں آتا کیونکہ وہاں دیگر لوگ موجود ہوتے ہیں، لیکن فقہاء کا استدلال ہے کہ کلاس رومز، لائبریریوں اور کینٹینوں میں پیدا ہونے والی طویل المدتی ذہنی و قلبی وابستگیوں ان حدود کو پامال کر دیتی ہیں جو شریعت نے انسانی عفت کے تحفظ کے لیے متعین کی ہیں۔⁽¹¹⁾ کاندھلوی کے مطابق:

"تعلیم کے نام پر اختلاط مرد و زن دراصل اس حیا کے فلسفے کے خلاف ہے جو اسلام کا امتیازی وصف ہے۔"⁽¹²⁾

تمام بڑے فقہی مذاہب (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) کے درمیان اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ اگر تعلیم کا کوئی ایسا نظام میسر ہو جہاں مردوں اور خواتین کے لیے مکمل علیحدگی (Segregation) ممکن ہو، تو وہی مسلمانوں کے لیے بہترین، مطلوب اور شرعی طور پر مستحسن ہے۔ تاہم، موجودہ عالمی تناظر میں جہاں الگ تعلیمی ادارے ہر جگہ میسر نہیں ہیں، وہاں جواز اور عدم جواز کے درمیان بحث "ضرورت" (Necessity) اور "حاجت" (Need) کے گرد گھومتی ہے۔ فقہی قاعدہ ہے کہ "الضرورات تبیح المحظورات" (ضرورتیں ممنوعہ اشیاء کو مباح کر دیتی ہیں)، لیکن اس کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ ضرورت کا

اندازہ حالات کے مطابق لگایا جائے گا۔ جدید مفکرین اور فقہاء کا ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ اگر کسی مخصوص شعبے (جیسے طب یا جدید سائنس) کی تعلیم علیحدہ میسر نہ ہو اور اس کے بغیر قوم کا گزراہ ممکن نہ ہو، تو مخصوص شرائط اور آدابِ حجاب کے ساتھ وہاں شرکت کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے۔⁽¹³⁾

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے مباحث اور تجاویز

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا (IFA) برصغیر کے جید علماء، فقہاء اور ماہرین جدید کا ایک ایسا معتبر اور متحرک فورم ہے جو 1989ء سے دورِ جدید کے نئے پیش آمدہ مسائل پر اجتماعی اجتہاد کے ذریعے ملتِ اسلامیہ کی رہنمائی فراہم کر رہا ہے۔ اکیڈمی کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ یہ قدیم فقہی ذخیرے اور جدید سائنسی و سماجی تبدیلیوں کے درمیان ایک پل کا کردار ادا کرتی ہے۔ اکیڈمی نے اپنے قیام سے اب تک متعدد سیمینارز میں تعلیمی مسائل، بالخصوص مسلم نوجوانوں کی فکری و اخلاقی تربیت کو زیرِ بحث لایا ہے۔ ان میں ممبئی میں منعقدہ 27 واں فقہی سیمینار (نومبر 2017ء) اپنی نوعیت اور موضوع کی حساسیت کے اعتبار سے خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس سیمینار میں نہ صرف برصغیر بلکہ عالمی سطح کے فقہاء نے شرکت کی اور عصری تعلیمی اداروں کے ڈھانچے کا ناقذانہ جائزہ لیا۔⁽¹⁴⁾

اکیڈمی کا ماننا ہے کہ تعلیم محض ڈگری کا حصول نہیں بلکہ یہ انسان کی ہمہ جہت نشو و نما کا نام ہے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب تعلیمی نظام وحی الہی کے فراہم کردہ اخلاقی اصولوں کے تابع ہو۔ احمد کے مطابق:

"اکیڈمی نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا ہے کہ جدید علوم کا حصول مسلمانوں کے لیے ناگزیر ہے، لیکن اسے اسلامی تشخص کی قربانی دے کر حاصل نہیں کیا جانا چاہیے۔"⁽¹⁵⁾

27 ویں فقہی سیمینار میں علماء اور ماہرین تعلیم نے عصری تعلیمی اداروں کے نظام، نصاب اور وہاں کے ماحول کا انتہائی باریک بینی سے جائزہ لیا تاکہ مسلم طلبہ کو درپیش چیلنجز کا حل تلاش کیا جاسکے۔ اکیڈمی نے واضح کیا کہ مخلوط نظام تعلیم اپنی موجودہ ہیئت میں شرعی طور پر غیر مستحسن اور فتنہ انگیز ہے، کیونکہ یہ ان اخلاقی حدود کو کمزور کرتا ہے جو اسلام نے مرد و زن کے تعلقات کے لیے متعین کی ہیں۔ اس تناظر میں اکیڈمی نے یہ تجویز دی کہ مسلمانوں پر یہ دینی و ملی فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کے لیے ایسے معیاری تعلیمی ادارے قائم کریں جہاں مکمل طور پر علیحدگی (Segregation) کا نظام موجود ہو۔ تاہم، اگر کہیں الگ ادارے موجود نہ ہوں اور تعلیم حاصل کرنا ناگزیر ہو، تو اکیڈمی نے "ضرورتِ شدیدہ" کے تحت انتہائی سخت شرائط کے ساتھ وہاں پڑھنے کی گنجائش نکالی ہے۔ ان شرائط میں کلاس روم کے اندر بیٹھنے کا ایسا انتظام شامل ہے جہاں لڑکوں اور لڑکیوں کی نشستیں بالکل الگ ہوں اور ان کے درمیان مناسب فاصلہ یا آڑ موجود ہو۔⁽¹⁶⁾

اکیڈمی نے اس امر پر بھی خصوصی توجہ دی کہ غیر مسلم اداروں میں داخلہ صرف اسی صورت میں لیا جائے جب مطلوبہ معیار کا اسلامی ادارہ دستیاب نہ ہو، اور وہاں بھی اس بات کا پورا خیال رکھا جائے کہ طالب علم کا عقیدہ اور اسلامی تشخص متاثر نہ ہو۔ اکیڈمی نے تعلیمی اداروں کو "تجارت" بنانے کے بڑھتے ہوئے رجحان کی شدید مذمت کی اور سرمایہ داروں و منتظمین کو تلقین کی کہ تعلیم کو ایک خالص انسانی اور دینی خدمت کے طور پر برقرار رکھا جائے۔ اکیڈمی کے نزدیک تعلیمی اداروں کا

مقصد محض معاشی فائدہ کمانا نہیں بلکہ ایک صالح معاشرے کی تشکیل ہونا چاہیے۔ اکیڈمی نے اس بات پر بھی زور دیا کہ وہ طلبہ جو ناگزیر وجوہات کی بنا پر مخلوط اداروں میں زیر تعلیم ہیں، انہیں ہر ممکن حد تک غیر ضروری اختلاط، بے تکلفی اور غیر شرعی سرگرمیوں سے بچنا چاہیے تاکہ وہ اپنے اخلاق کی حفاظت کر سکیں۔⁽¹⁷⁾

جنسی تعلیم (Sex Education) پر اکیڈمی کا موقف

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے 17 ویں فقہی سیمینار (منعقدہ 2008ء) میں "جنسی تعلیم (Sex Education)" جیسے حساس اور اہم موضوع پر تفصیلی بحث کی گئی، جس کا مقصد مسلم معاشرے میں مغربی تہذیب کے بڑھتے ہوئے اثرات کا مقابلہ کرنا اور نوجوانوں کو شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے ضروری معلومات فراہم کرنا تھا۔ اکیڈمی کا دو ٹوک موقف یہ ہے کہ مغربی طرز کی جنسی تعلیم، جو کسی بھی قسم کی اخلاقی بندشوں اور مذہبی اقدار سے آزاد ہے، سراسر فتنہ ہے اور اسے تعلیمی اداروں میں رائج کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ مغربی ماڈل میں اس تعلیم کا محور محض "محفوظ جنسی تعلق (Safe Sex)" اور حیاتیاتی لذت ہے، جس میں حیا، عفت اور نکاح جیسے مقدس بندھنوں کی اہمیت کو ثانوی قرار دیا جاتا ہے۔ اکیڈمی کے نزدیک اس طرح کی تعلیم نوجوانوں کو وقت سے پہلے بے راہ روی کی طرف راغب کرنے اور معاشرتی بگاڑ پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔⁽¹⁸⁾

تاہم، اکیڈمی نے یہ واضح کیا کہ اسلام میں کسی بھی انسانی ضرورت کو تشنہ نہیں چھوڑا گیا اور ضروری معلومات کی فراہمی کو "علم" کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ بلوغت کے مسائل، طہارت کے مخصوص احکام، جسمانی تبدیلیوں کی آگاہی اور ازدواجی زندگی کی بنیادی و ضروری معلومات فراہم کرنا اسلامی نظام تربیت اور فقہ کا ایک اہم حصہ ہے۔ اکیڈمی کا استدلال ہے کہ اگر نوجوانوں کو یہ معلومات مستند اور پاکیزہ ذرائع سے نہیں ملیں گی تو وہ انٹرنیٹ اور دیگر غیر اخلاقی ذرائع کا رخ کریں گے، جو ان کی فکری پسماندگی کا سبب بنے گا۔⁽¹⁹⁾

اکیڈمی نے اس تعلیم کے لیے ایک مخصوص ضابطہ اخلاق اور طریقہ کار (Methodology) بھی تجویز کیا ہے۔ سب سے بنیادی شرط یہ ہے کہ یہ تعلیم "حیا" کے دائرے میں رہ کر دی جانی چاہیے، یعنی اس میں ایسی زبان یا تصاویر کا استعمال ہرگز نہ ہو جو اخلاقی طور پر قابل اعتراض ہوں۔ مزید برآں، یہ تعلیم "ہم جنس اساتذہ" یا والدین کے ذریعے فراہم ہونی چاہیے، تاکہ ایک فطری پردہ برقرار رہے اور مخاطب کو اپنی بات کہنے میں حجاب محسوس نہ ہو۔ اکیڈمی نے تعلیمی اداروں کو مشورہ دیا کہ وہ اس موضوع پر الگ سے کوئی "جنسی تعلیم" کا پیریڈرکھنے کے بجائے اسے اسلامیات، معاشرتی علوم یا حیاتیات کے نصاب میں ایک مربوط اور شائستہ طریقے سے شامل کریں۔⁽²⁰⁾

بین الاقوامی اسلامی فقہ اکیڈمی (جدہ) کے عالمی فیصلے

بین الاقوامی اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ (IIFA)، جو کہ تنظیم تعاون اسلامی (OIC) کا ایک اہم ترین ذیلی ادارہ ہے، عصر حاضر میں پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے سب سے معتبر فقہی مرجع (Legal Authority) کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ اکیڈمی دنیا بھر کے جید فقہاء، مفتیان کرام اور مختلف علوم کے ماہرین پر مشتمل ہے، جو جدید دور کے پیچیدہ مسائل پر اجماع اور اجتماعی اجتہاد کے ذریعے حل پیش کرتے ہیں۔ اس اکیڈمی نے تعلیم کے حق اور صنفی امتیاز کے خاتمے پر عالمی سطح کے ایسے فیصلے

صادر کیے ہیں، جن کا بنیادی مقصد مسلم ممالک میں تعلیم کی شرح کو بڑھانا اور اسے عصری تقاضوں کے مطابق اسلامی اقدار سے ہم آہنگ کرنا ہے۔ جدہ اکیڈمی کا امتیاز یہ ہے کہ اس کے فیصلے عالمی سطح پر ریاستی پالیسیوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔⁽²¹⁾ ایسپوزیٹو کے مطابق:

"جدہ اکیڈمی جیسے ادارے عالمی سطح پر "اعتدال پسند اسلام (Moderate Islam)" کی نمائندگی کرتے ہوئے انتہاء پسندی کے خلاف ایک علمی دیوار ثابت ہوئے ہیں۔"⁽²²⁾

قرارداد نمبر 239: تعلیم کا حق اور شرعی جواز

اکیڈمی کے 25 ویں اجلاس (منعقدہ فروری 2023ء) میں ایک جامع اور تاریخی قرارداد (نمبر 239) منظور کی گئی، جس میں مرد و خواتین کی تعلیم کے حوالے سے دورِ حاضر کے اہم ترین نکات بیان کیے گئے۔ اس قرارداد کا پہلا ستون یہ ہے کہ تعلیم کا حصول محض ایک فرد کا انفرادی حق نہیں بلکہ یہ خاندان، معاشرے اور بالخصوص ریاست کی طرف سے ایک لازمی ذمہ داری (Obligation) ہے۔ اکیڈمی نے یہ واضح کیا کہ عصرِ حاضر میں امت مسلمہ کا زوال تعلیم سے دوری کا نتیجہ ہے، لہذا ریاستوں پر فرض ہے کہ وہ ہر شہری کے لیے تعلیم کے یکساں مواقع فراہم کریں۔⁽²³⁾

اسی قرارداد میں اکیڈمی نے ان "انتہاء پسندانہ فتاویٰ" کی سختی سے تردید کی جو مخصوص حالات یا سیاسی مقاصد کے تحت خواتین کی تعلیم پر مکمل پابندی عائد کرتے ہیں۔ اکیڈمی نے دو ٹوک انداز میں کہا کہ ایسی پابندیاں جہالت، افلاس اور معاشرتی تباہی کا سبب بنتی ہیں اور ان کا اسلام کی اصل تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مزید برآں، اکیڈمی نے حکومتوں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے تعلیمی نصاب کو جدید سائنسی چیلنجز کے مطابق ڈھالیں، لیکن اس کی روح کو اسلامی اخلاقیات سے مربوط رکھیں۔ جدہ اکیڈمی کا یہ متوازن موقف ظاہر کرتا ہے کہ وہ تعلیم کی وسیع پیمانے پر فراہمی کو ترجیح دیتی ہے، خواہ وہ میڈیکل ہو، انجینئرنگ ہو یا جدید ٹیکنالوجی۔⁽²⁴⁾

الگ تعلیمی اداروں کی ضرورت: نفسیاتی، تعلیمی اور عمرانی تجزیہ

مخلوط نظام تعلیم کے خلاف سب سے بڑی اور وزنی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ یہ نظام نوجوانوں کی توجہ کو منتشر (Distract) کرتا ہے اور انہیں ان کے اصل تعلیمی و تحقیقی مقاصد سے دور لے جاتا ہے۔ جدید عمرانیات اور نفسیاتی تحقیقات نے اس حوالے سے چند ایسے کلیدی پہلو اجاگر کیے ہیں جو الگ تعلیمی اداروں (Single-Sex Schools) کی افادیت کو محض مذہبی نہیں بلکہ خالصتاً علمی اور سماجی بنیادوں پر بھی ثابت کرتے ہیں۔ ماہرین کا ماننا ہے کہ تعلیمی ادارہ صرف کتابی معلومات کی منتقلی کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ایسی تجربہ گاہ ہے جہاں شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے۔ مخلوط ماحول میں صنفِ مخالف کی موجودگی ایک فطری تناؤ اور ہيجان پیدا کرتی ہے جو تعلیمی یکسوئی میں سب سے بڑی رکاوٹ بنتا ہے۔⁽²⁵⁾ اسی طرح لیونارڈ کے مطابق:

"لڑکوں اور لڑکیوں کے دماغی و اعصابی ڈھانچے (Brain Structure) میں نمایاں فرق ہوتا ہے، جس کی وجہ سے ان کے سیکھنے کے انداز بھی مختلف ہوتے ہیں، اور ایک ہی نظام دونوں کی صلاحیتوں کے ساتھ انصاف نہیں کر پاتا۔"⁽²⁶⁾

تعلیمی توجہ اور کارکردگی

جدید تعلیمی تحقیق یہ ثابت کرتی ہے کہ الگ تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم طلبہ و طالبات مخلوط اداروں کے مقابلے میں زیادہ بہتر تعلیمی نتائج دکھاتے ہیں۔ اس کی ایک بنیادی وجہ "سماجی دباؤ کی کمی (Reduced Social Anxiety)" ہے۔ لڑکے اور لڑکیاں صنف مخالف کی موجودگی میں اپنی کارکردگی یا ظاہری شخصیت (Appearance) کے حوالے سے غیر ضروری شعوری دباؤ کا شکار رہتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی توانائی تعلیمی مسائل کے بجائے اپنی "ایمج" کو بہتر بنانے میں صرف ہوتی ہے۔ الگ اداروں میں یہ دباؤ ختم ہو جاتا ہے، جس سے وہ اپنی پڑھائی پر زیادہ گہرائی سے توجہ دے پاتے ہیں۔⁽²⁷⁾ مزید برآں، الگ اداروں میں طلبہ "صنفی و قیاسی تصورات (Gender Stereotyping)" سے آزاد ہو کر مضامین کا انتخاب کرتے ہیں۔ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ مخلوط ماحول میں لڑکیاں اکثر سائنس، ٹیکنالوجی اور ریاضی (STEM) جیسے مضامین سے کتراتی ہیں کیونکہ انہیں روایتی طور پر "مردانہ مضامین" سمجھا جاتا ہے، لیکن لڑکیوں کے الگ اسکولوں میں وہ ان مضامین میں زیادہ اعتماد اور دلچسپی کے ساتھ حصہ لیتی ہیں۔

الگ تعلیمی اداروں کا ایک اور بڑا فائدہ "پرسکون اور سازگار ماحول" کی فراہمی ہے۔ لڑکیوں کے تعلیمی اداروں میں ماحول زیادہ تعاون (Cooperation) پر مبنی اور جذباتی طور پر مستحکم ہوتا ہے، جہاں وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے سوالات پوچھ سکتی ہیں اور بحث و مباحثہ میں حصہ لے سکتی ہیں۔ اس کے برعکس، لڑکوں کے اداروں میں اساتذہ ان کی فطری توانائی کو مد نظر رکھتے ہوئے نظم و ضبط اور عملی سرگرمیوں پر زیادہ بہتر توجہ دے سکتے ہیں۔ جدید نفسیاتی اصطلاحات میں اسے "ذہنی ناپختگی اور ہیجان" سے تعبیر کیا گیا ہے، جہاں بلوغت کے دور میں پیدا ہونے والی صنفی کشش تعلیمی گراف کو نیچے گرا دیتی ہے۔ پاکستان، انڈیا اور کئی عرب ممالک میں ہونے والے حالیہ مطالعات اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ الگ اداروں کے طلبہ کی "خود اعتمادی (Self-esteem)" مخلوط اداروں کے مقابلے میں زیادہ مستحکم اور بلند ہوتی ہے۔⁽²⁸⁾

سماجی اور اخلاقی اثرات

عمرانی نقطہ نظر سے، مخلوط تعلیم معاشرے میں "آوارہ مزاجی" اور "ہوس پرستی" جیسے منفی رجحانات کو بڑھاوا دے سکتی ہے، جو کسی بھی صالح معاشرے کی اخلاقی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ جب نوعمر نوجوانوں کو بغیر کسی سماجی یا اخلاقی پابندی کے ایک دوسرے سے میل جول کے کھلے مواقع میسر آتے ہیں، تو اکثر اوقات شرعی و اخلاقی حدود پامال ہوتی ہیں، جس کا براہ راست اثر خاندانی نظام کے استحکام پر پڑتا ہے۔ اسلام میں "حیا (Modesty)" محض ایک انفرادی صفت نہیں بلکہ اسے "ایمان کا حصہ" قرار دیا گیا ہے؛ اس کا خاتمہ نہ صرف فرد کی روحانی زندگی کے لیے نقصان دہ ہے بلکہ یہ معاشرتی ہم آہنگی اور سکون کے لیے بھی ایک بڑا خطرہ بن جاتا ہے۔ عمرانی ماہرین کے مطابق، جس معاشرے میں صنفی اختلاط بے لگام ہو جاتا ہے، وہاں نکاح کی اہمیت کم ہونے لگتی ہے اور غیر اخلاقی تعلقات کی کثرت خاندانی اکائی کو پارہ پارہ کر دیتی ہے۔ احمد کے مطابق: "مغربی معاشروں میں خاندانی نظام کی شکستگی کی ایک بڑی وجہ وہ تعلیمی و سماجی ڈھانچہ ہے جس نے صنفی حدود کو مکمل طور پر ختم کر دیا ہے۔"⁽²⁹⁾

علیحدہ اور مخلوط تعلیمی نظام کے مختلف پہلوؤں کا موازنہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ علیحدہ نظام میں "تعلیمی ارتکاز (Academic Focus)" بہت بلند ہوتا ہے کیونکہ وہاں صنف مخالف کی موجودگی سے پیدا ہونے والا ذہنی بکھراؤ موجود نہیں ہوتا۔ اخلاقی تربیت کے لحاظ سے علیحدہ ادارے زیادہ مؤثر اور منظم ثابت ہوتے ہیں کیونکہ وہاں اساتذہ مخصوص صنفی ضروریات اور نفسیات کے مطابق اخلاقی رہنمائی فراہم کر سکتے ہیں۔ اس کے برعکس، مخلوط نظام میں اخلاقی تربیت ایک مستقل چیلنج بن جاتی ہے جہاں انتظامیہ کی زیادہ تر توانائی نظم و ضبط برقرار رکھنے اور غیر شرعی سرگرمیوں کو روکنے میں صرف ہوتی ہے۔ سبزل کے مطابق:

"علیحدہ اداروں میں صنفی مساوات" حقیقی ٹیلنٹ کی بنیاد پر فروغ پاتی ہے، جبکہ مخلوط اداروں میں طالبات اکثر سماجی تعصبات اور صنفی دباؤ کے زیر اثر اپنی بھرپور صلاحیتوں کا اظہار نہیں کر پاتیں۔" (30)

نفسیاتی سکون کے اعتبار سے بھی علیحدہ تعلیمی نظام طالب علموں کو ایک مستحکم اور پرسکون ماحول فراہم کرتا ہے، جو انہیں "ہیجان اور تناؤ (Anxiety and Stress)" سے محفوظ رکھتا ہے۔ بلوغت کے دور میں صنف مخالف کی کشش ایک فطری امر ہے، لیکن تعلیمی اداروں میں اس کشش کا بے جا اظہار علمی انہماک کو ختم کر دیتا ہے۔ علیحدہ ادارے طالب علموں کو وہ محفوظ فضا دیتے ہیں جہاں وہ اپنی شناخت اور صلاحیتوں کو بغیر کسی صنفی رقابت کے پرکھ سکتے ہیں۔ (31)

ندوی کے مطابق:

"مسلم معاشروں کے لیے علیحدہ تعلیمی نظام محض ایک انتخاب نہیں بلکہ ایک ناگزیر ضرورت ہے تاکہ نئی نسل کو فکری و اخلاقی ارتداد سے بچایا جاسکے۔ یوں، علیحدہ نظام نہ صرف تعلیمی نتائج کو بہتر بناتا ہے بلکہ ایک ایسے معاشرے کی تشکیل میں مدد دیتا ہے جو اپنی جڑوں اور اقدار سے جڑا ہوا ہو۔" (32)

رمضان کے مطابق:

"تعلیمی اصلاحات کا رخ اس سمت میں ہونا چاہیے جہاں جدید علوم کی پیاس بھی بجھے اور اسلامی حیا کا شیشہ بھی نہ ٹوٹے۔" (33)

ڈریس کوڈ اور اخلاقی ضوابط: فقہی ہدایات

تعلیمی اداروں میں ڈریس کوڈ یا لباس کا ضابطہ محض ایک انتظامی معاملہ یا ظاہری آرائش کا جزو نہیں ہے، بلکہ یہ اسلامی تشخص کی پہچان اور تعلیمی ماحول میں اخلاقی پاکیزگی برقرار رکھنے کا ضامن ہے۔ فقہائے کرام نے اس حوالے سے نہایت مفصل اور جامع ضوابط بیان کیے ہیں جو طالبات، اساتذہ اور تعلیمی عملے کے تمام ارکان پر لاگو ہوتے ہیں۔ لباس کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ "ستر پوشی" کے ساتھ ساتھ "زینت" اور "وقار" کا ذریعہ بھی ہونا چاہیے۔ تعلیمی ادارے چونکہ فکری آبیاری کی جگہیں ہیں، اس لیے وہاں ایسا لباس ناگزیر ہے جو طالب علم کی توجہ کو پر اگندہ نہ کرے اور صنف مخالف کے لیے کسی بھی قسم کی غیر ضروری کشش کا باعث نہ بنے۔ مودودی کے مطابق:

"لباس انسانی سیرت کا آئینہ دار ہوتا ہے اور اسلامی سوسائٹی میں اس کا مقصد حیا کی حفاظت کرنا ہے۔" (34)

حجاب کے بنیادی شرائط

اسلامی حجاب یا شرعی لباس کے لیے چار بنیادی شرائط فقہی طور پر مسلم اور متفق علیہ ہیں، جن پر عمل درآمد تعلیمی اداروں میں نظم و ضبط کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ پہلی شرط "مکمل ستر پوشی" ہے، جس کے مطابق سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے، پورا جسم ڈھکا ہوا ہونا چاہیے، جبکہ بہت سے فقہاء نے عصری فتنوں اور تعلیمی ماحول کی حساسیت کے پیش نظر چہرہ ڈھانپنے کو بھی مستحسن یا واجب قرار دیا ہے۔ دوسری شرط "کشاوگی" (Looseness) ہے؛ لباس اتنا چست نہ ہو کہ جسم کے اعضاء کی بناوٹ (Curves) واضح ہو، کیونکہ چست لباس ستر پوشی کے اصل مقصد کو فوت کر دیتا ہے۔ تیسری شرط "موٹائی" (Thickness) ہے، یعنی کپڑا اتنا باریک یا شفاف نہ ہو کہ اس کے اندر سے جسم یا جلد کی رنگت نظر آئے۔ چوتھی اور اہم شرط "زینت کا انفاء" ہے، جس کا مطلب ہے کہ لباس بذاتِ خود اتنا پُرکشش، بھڑکیلا اور رنگین نہ ہو کہ وہ تعلیمی مقصد کے بجائے دوسروں کی توجہ اپنی طرف کھینچنے کا ذریعہ بن جائے۔⁽³⁵⁾

ڈریس کوڈ کے عملی اطلاقات: المدینہ سکول کا کیس

برطانیہ کے "المدینہ سکول" کی مثال سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جدید مغربی معاشروں میں بھی اسلامی تعلیمی ادارے کس طرح ان فقہی اصولوں کو عملی جامہ پہناتے ہیں۔ المدینہ سکول نے نہ صرف طالبات بلکہ غیر مسلم عملے کے لیے بھی "باوقار لباس" (Modest Dress) کی شرط رکھی، جس میں آستینوں کا پورا ہونا، لباس کا ٹخنوں تک ہونا اور ڈھیلے ڈھالے کپڑوں کا استعمال لازمی قرار دیا گیا۔ یہ ضابطہ اخلاق ثابت کرتا ہے کہ تعلیمی ماحول کو سنجیدہ اور تعمیری رکھنے کے لیے ظاہری ہیئت اور لباس کتنی کلیدی اہمیت رکھتے ہیں۔⁽³⁶⁾

اسلامی اقدار کا نفاذ تعلیمی معیار کو بلند کرنے میں مدد دیتا ہے۔ علاوہ ازیں، اسلامی ضابطہ اخلاق صرف لباس تک محدود نہیں؛ قرآن و سنت نے "کلام کی نرمی" سے بچنے (تاکہ لہجے سے کوئی غلط تاثر نہ ملے)، خوشبو کا استعمال نہ کرنے اور "غض بصر" (نگاہوں کو نیچا رکھنے) کو اس ہمہ گیر ضابطے کا حصہ بنایا ہے۔ رمضان کے مطابق:

"یہ آداب دراصل طالب علموں کی روحانی اور اخلاقی تربیت کا حصہ ہیں جو انہیں ایک ذمہ دار اور باکردار انسان بناتے ہیں۔"⁽³⁷⁾

ضرورت اور اضطرار: میڈیکل اور تکنیکی تعلیم کا استثناء

فقہ اسلامی کا ایک سنہری اور ہمہ گیر اصول ہے: "الضرورات تبيح المحظورات" (ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں)۔ یہ اصول اسلامی قانون کی پلک اور انسانی زندگی کی عملی مشکلات کو حل کرنے کی صلاحیت کا مظہر ہے۔ اس قاعدے کا اطلاق عصری تعلیم کے ان مخصوص شعبوں پر ہوتا ہے جہاں خواتین کی موجودگی اور مہارت محض ایک انفرادی خواہش نہیں بلکہ پورے معاشرے کی بقا اور اخلاقی تحفظ کے لیے ناگزیر ہے، جیسے کہ میڈیکل سائنس، نرسنگ اور مخصوص تکنیکی شعبہ جات۔ اسلام جہاں عفت و حیا کا علمبردار ہے، وہیں وہ انسانی جان کے تحفظ اور خواتین کی پرائیویسی کو بھی مقدم رکھتا ہے۔ اگر

مسلم خواتین میڈیکل کے شعبے سے مکمل کنارہ کش ہو جائیں گی، تو مسلم خواتین کو اپنے علاج معالجے کے لیے نامحرم مردوں یا غیر مسلم عملے کا محتاج ہونا پڑے گا، جو کہ بذات خود ایک بڑی شرعی قباحت ہے۔⁽³⁸⁾

میڈیکل کالجز میں تعلیم کا مسئلہ

اگر کسی شہر یا مخصوص جغرافیائی علاقے میں لڑکیوں کے لیے الگ میڈیکل کالج یا یونیورسٹی موجود نہ ہو، تو کیا ایک طالبہ کو مخلوط ادارے میں بھیجا جاسکتا ہے؟ یہ سوال دورِ حاضر کے فقہاء کے سامنے ایک بڑے چیلنج کے طور پر ابھرا ہے۔ اس پر عصرِ حاضر کے جید فقہاء، بالخصوص مفتی محمد تقی عثمانی اور جامعہ بنوری ٹاؤن کے جید علماء کا موقف یہ ہے کہ میڈیکل کی تعلیم اب ایک "اجتماعی ضرورت" (Collective Necessity) کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ چونکہ امت کو ماہر خواتین ڈاکٹروں کی اشد ضرورت ہے تاکہ وہ پردے کے اہتمام کے ساتھ خواتین مریضوں کا علاج کر سکیں اور انہیں مردوں کے سامنے بے ستر ہونے سے بچا سکیں، اس لیے مخصوص شرائط کے ساتھ ان اداروں میں تعلیم کی گنجائش موجود ہے۔ ایسی طالبہ پر لازم ہے کہ وہ تعلیمی سفر کے دوران مکمل شرعی حجاب کا اہتمام کرے، غیر ضروری اختلاط سے کلی اجتناب کرے، اور صنفِ مخالف سے گفتگو کو صرف تعلیمی ضرورت کی حد تک محدود رکھے۔⁽³⁹⁾

ملازمت کے دوران یا ہسپتال میں کلینیکل پریکٹس کے وقت بھی ان حدود کا خیال رکھنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ دورانِ تعلیم، کیونکہ مقصد صرف ڈگری کا حصول نہیں بلکہ ایک پاکیزہ ماحول میں انسانیت کی خدمت کرنا ہے۔ یہ ایک "عارضی رخصت" ہے، جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمان خواتین تعلیم کے میدان میں پیچھے نہ رہ جائیں اور اسلامی معاشرہ اپنے بنیادی مسائل کے حل کے لیے دوسروں کا دستِ نگر نہ بنے۔ تاہم، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ مخلوط نظام کو ایک آئیڈیل یا پسندیدہ نظام سمجھ لیا جائے، بلکہ یہ مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری ہے کہ وہ اس اضطراری حالت سے نکلنے کے لیے جلد از جلد اپنے الگ ہسپتال، میڈیکل کالجز اور ٹیکنالوجی کے مراکز قائم کریں۔ حمید کے مطابق:

"مسلم معاشروں میں یہ بحث دراصل ایک ایسی متبادل جدیدیت (Alternative Modernity) کی تلاش ہے جو مذہب اور سائنس کو ایک دوسرے کا حریف بنانے کے بجائے رفیق بنادے۔"⁽⁴⁰⁾

سماجی چیلنجز اور فکری اثرات

مخلوط تعلیم کے نتیجے میں جو سب سے بڑا اور سنگین فکری چیلنج پیدا ہوا ہے، وہ "الحاد" (Atheism) اور لادینیت کا بڑھتا ہوا رجحان ہے۔ عصری تعلیمی اداروں میں اکثر ایسا نصاب اور تدریسی طریقہ کار اپنایا جاتا ہے جو خالصتاً مادی فلسفوں پر مبنی ہوتا ہے اور بسا اوقات اسلامی عقائد و ثوابت سے براہِ راست متضاد ہوتا ہے۔ جب نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ایسے ماحول میں اکٹھے رہتے ہیں جہاں مذہب کو ایک ثانوی یا شخصی معاملہ قرار دیا جاتا ہے، تو وہ نہ صرف اخلاقی بلکہ نظریاتی طور پر بھی کمزور پڑ جاتے ہیں۔ اس فکری بحران کی جڑیں اس نظام میں ہیں جو "عقل محض" کو وحی پر فوقیت دیتا ہے۔ نصر کے مطابق:

"جدید تعلیمی ادارے اکثر طالب علم کو کائنات کے مادی مشاہدے میں اتنا الجھا دیتے ہیں کہ وہ خالق کائنات سے دور ہو جاتا ہے۔"

"⁽⁴¹⁾

مخلوط ماحول میں پیدا ہونے والا سماجی دباؤ نوجوانوں کو مذہب کی پیروی سے شرمسار (Religious Shaming) کرنے کا سبب بنتا ہے، جس سے وہ رفتہ رفتہ لادینیت کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

اقلیتی ممالک کے مسائل

انڈیا جیسے ملک میں، جہاں مسلمان اقلیت میں آباد ہیں، تعلیمی مسائل کی نوعیت مزید پیچیدہ ہو جاتی ہے۔ یہاں کے "اقلیتی تعلیمی ادارے (Minority Educational Institutions)" اگرچہ ایک حد تک مسلمانوں کی ثقافتی اور مذہبی شناخت کو تحفظ فراہم کرتے ہیں، لیکن وسائل کی شدید کمی اور حکومتی قوانین کی پابندی کی وجہ سے وہاں بھی مخلوط نظام رائج کرنا ایک مجبوری بن چکا ہے۔ فقہ اکیڈمی انڈیا نے اسی حساس صورتحال کو مد نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ اپنے اداروں میں کم از کم "اسلامیات" کا ایسا ہمہ گیر نصاب رکھیں جو طلبہ کے بنیادی عقائد کی حفاظت کر سکے اور انہیں الحاد کے اثرات سے بچا سکے۔ احمد کے مطابق:

"اقلیتی مسلم آبادیوں کے لیے تعلیم محض ایک ڈگری نہیں بلکہ ان کی بقا کا مسئلہ ہے، جس کے لیے انہیں اپنے محدود وسائل میں بہترین تعلیمی و اخلاقی نمونے پیش کرنے ہوں گے۔" (42)

نوجوانوں کی نفسیات اور سماجی میڈیا

آج کا دور سماجی میڈیا (Social Media) کا دور ہے، جہاں "سیلفی کلچر" اور "نمود و نمائش" نے حیا کے روایتی تصور کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ مخلوط تعلیمی اداروں کے طلبہ اکثر سوشل میڈیا پر اپنی تصاویر اور ویڈیوز کے ذریعے مقبولیت کی دوڑ میں شامل ہو جاتے ہیں، جو کہ "عریانیت" اور "بے راہروی" کی طرف لے جانے والا ایک جدید ڈیجیٹل راستہ ہے۔ ماہرین نفسیات کا ماننا ہے کہ مخلوط ماحول میں صنف مخالف سے داد و وصول کرنے کی خواہش نوجوانوں کو اخلاقی حدود پار کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ بیات کے مطابق:

ڈیجیٹل دنیائے حیا کے گرد موجود سماجی حصار کو توڑ دیا ہے۔ اس چیلنج کا علاج محض پابندیوں یا فتوؤں میں نہیں بلکہ اس گہری "عقیدہ سازی" اور "احسان" کی کیفیت پیدا کرنے میں ہے جو طالب علم کو یہ احساس دلائے کہ وہ ہر وقت اللہ کی نگرانی میں ہے۔ (43)

حمید کے مطابق:

"مسلم نوجوانوں کو ایک ایسے 'ڈیجیٹل ضابطہ اخلاق' کی ضرورت ہے جو انہیں جدیدیت کے طوفان میں اپنے نظریاتی مرکز سے جوڑے رکھے۔" (44)

انتظامی اور معاشی تجاویز: ایک متبادل ماڈل کی ضرورت

مخلوط تعلیم کے حامی اکثر معاشی وسائل کی کمی، اساتذہ کی قلت اور دوہرے انفراسٹرکچر کے اخراجات کا عذر پیش کرتے ہوئے اس نظام کو ناگزیر قرار دیتے ہیں۔ تاہم، اسلامی معاشیات اور سماجیات کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ اگر نیت سچی ہو اور ترجیحات درست ہوں، تو کم وسائل میں بھی شرعی حدود کی مکمل رعایت کے ساتھ بہترین تعلیمی نظام قائم کرنا ممکن ہے۔ فقہ

اکیڈمی انڈیا اور دیگر ماہرین تعلیم نے ایسے عملی اور قابل عمل ماڈلز پیش کیے ہیں جو ترقی پذیر ممالک کے لیے معاشی بوجھ بنے بغیر تعلیم نسواں کے تحفظ کو یقینی بناتے ہیں۔ ان تجاویز کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ اسلامی اقدار اور عصری ترقی ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں۔⁽⁴⁵⁾

پہلی اہم تجویز "ڈبل شفٹ سسٹم" (Double Shift System) "کی ہے، جس کے تحت ایک ہی تعلیمی عمارت کو وقت کی تقسیم کے ذریعے دو مختلف صنفی گروہوں کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً صبح کے وقت عمارت لڑکوں کے لیے اور دوپہر کے وقت لڑکیوں کے لیے مخصوص کی جاسکتی ہے۔ یہ ماڈل اضافی زمین، عمارت کی تعمیر اور فرنیچر کے بھاری اخراجات کو بچانے کا بہترین ذریعہ ہے، جو پاکستان اور انڈیا جیسے گنجان آباد ممالک کے لیے انتہائی مفید ہے۔ دوسری تجویز "پارٹیشن" (Partition) یا آرڈی کی ہے؛ اگر کسی ناگزیر وجہ سے ایک ہی کلاس روم استعمال کرنا پڑے، تو درمیان میں لکڑی، شیشے یا کپڑے کی ایسی عارضی یا مستقل دیوار بنائی جاسکتی ہے جو نظروں کے حجاب کو برقرار رکھے۔ اس سے کلاس روم کے اندر علمی یکسوئی پیدا ہوتی ہے اور طالبات کسی قسم کے سماجی دباؤ کے بغیر تعلیم حاصل کر سکتی ہیں۔⁽⁴⁶⁾

مزید برآں، "علیحدہ داخلی راستے" (Separate Entrances) "اور" ہم جنس اساتذہ (Same-Sex Faculty) کا تقرر اس متبادل ماڈل کے بنیادی ستون ہیں۔ تعلیمی اداروں میں لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے آنے جانے کے راستے الگ رکھنے سے رش کے اوقات میں غیر ضروری اختلاط کا خاتمہ ہوتا ہے، جو کہ حیا کے تحفظ کے لیے ضروری ہے۔ اسی طرح، جہاں تک ممکن ہو، طالبات کو خواتین اساتذہ اور طلبہ کو مرد اساتذہ کے سپرد کیا جائے تاکہ تعلیمی و نفسیاتی تعلق زیادہ ہم آہنگ اور باوقار رہے۔ غیر نصابی سرگرمیوں، جیسے کھیلوں کے میدان، لائبریری اور کینیٹین کے لیے اوقات کی تقسیم یا جگہ کی علیحدگی بھی اس ضابطے کا حصہ ہے۔ اس منظم انتظامی ڈھانچے کی تائید وہبہ الزحیلی کی کتاب الفقہ الاسلامی وادلتہ⁽⁴⁷⁾ میں ملتی ہے، جہاں وہ اختلاط کے سدباب کے لیے انتظامی تدابیر کو فقہی ضرورت قرار دیتے ہیں۔

خلاصہ بحث اور سفارشات

مخلوط نظام تعلیم کے جواز و عدم جواز کا یہ تحقیقی مطالعہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اسلام میں تعلیم کا حصول ایک مقدس حق ہے، لیکن اس کے حصول کا طریقہ کار بھی مقدس اور پاکیزہ ہونا چاہیے۔ روایتی فقہاء اور جدید اکیڈمیاں اس بات پر متفق ہیں کہ مثالی صورت حال وہی ہے جہاں لڑکوں اور لڑکیوں کے تعلیمی ادارے بالکل الگ ہوں۔ تاہم، موجودہ عالمی حالات اور معاشی مجبوریوں کے پیش نظر، اعلیٰ تعلیم کے شعبوں میں سخت شرائط کے ساتھ گنجائش دی گئی ہے، جسے "حالت اضطرار" سمجھنا چاہیے۔

اس مطالعہ کی روشنی میں درج ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

- مسلم معاشرے کو چاہیے کہ وہ اپنی ترجیحات بدلیں اور پرعش عمارتوں کے بجائے معیاری الگ تعلیمی اداروں پر سرمایہ کاری کریں۔

- جو طالبات مخلوط اداروں میں پڑھ رہی ہیں، وہ اپنے حجاب اور طرز عمل سے اسلامی حیا کا نمونہ پیش کریں تاکہ ان کا تشخص برقرار رہے۔
 - حکومتوں کو چاہیے کہ وہ تعلیمی پالیسی بناتے وقت مذہبی اور ثقافتی حساسیت کا خیال رکھیں اور "یونیورسل ماڈل" مسلط کرنے کے بجائے متبادل اختیارات فراہم کریں۔
 - والدین اپنے بچوں کی ایسی تربیت کریں کہ وہ کسی بھی ماحول میں اپنی اخلاقی اقدار کا سودا نہ کریں۔
- تعلیم کا مقصد صرف ڈگری حاصل کرنا نہیں بلکہ ایک ایسی شخصیت کی تعمیر ہے جو خالق اور مخلوق دونوں کے حقوق ادا کرنے کے قابل ہو۔ اگر تعلیم بے حیائی اور بے راہ روی کا راستہ کھولتی ہے، تو وہ "علم نافع" کے دائرے سے باہر ہو جاتی ہے۔ لہذا، امت مسلمہ کو علم اور حیا کے درمیان وہ توازن برقرار رکھنا ہو گا جو قرونِ اولیٰ کا خاصہ تھا۔

حوالہ جات

- 1 حمید اللہ، محمد، (2009) خطبات بہاولپور۔ ادارہ تحقیقات اسلامی۔ جلد 1، صفحہ 180
- 2 نصر، سید حسین، (2010) اسلام اور جدیدیت کے چیلنجز۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔ جلد 2، صفحہ 65
- 3 مودودی، ابوالاعلیٰ، (2015) پردہ۔ اسلامک پبلیکیشنز۔ جلد 1، صفحہ 92
- 4 ایپوزیٹو، جان، (2024) اسلام اینڈ دی چیلنج آف ماڈرنٹی۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔ جلد 2، صفحہ 185
- 5 بنت الشاطی، عائشہ، (1990) اسلام میں خواتین کی علمی خدمات۔ دارالمعارف۔ جلد 1، صفحہ 75
- 6 ٹائپک، ڈیوڈ، (1991) لرننگ ٹو گیدر: اے ہسٹری آف کو-ایجوکیشن ان امریکن پبلک اسکولز۔ رسل بیج فاؤنڈیشن۔ جلد 1، صفحہ 45
- 7 ہیلسن، وی وی، (1998) دی رائز آف کو-ایجوکیشن۔ ہارورڈ یونیورسٹی پریس۔ جلد 2، صفحہ 65
- 8 مودودی، ابوالاعلیٰ، (2015) تعلیمات۔ اسلامک پبلیکیشنز۔ جلد 1، صفحہ 145
- 9 رمضان، طارق، (2004) ویٹرن مسلمان اینڈ دی فیوچر آف اسلام۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔ جلد 1، صفحہ 190
- 10 الزحلی، وہبہ، (2002) الفقہ الاسلامی وادلتہ۔ دارالفکر۔ جلد 4، صفحہ 280
- 11 تھانوی، اشرف علی، (2012) بہشتی زیور۔ مکتبہ لدھیانوی۔ جلد 1، صفحہ 215
- 12 کاندھلوی، محمد ادریس، (2005) معارف القرآن۔ مکتبہ المعارف۔ جلد 3، صفحہ 410
- 13 القرضاوی، یوسف، (2001) فتاویٰ معاصرہ۔ دارالقلم۔ جلد 2، صفحہ 150
- 14 قاسمی، مجاہد الاسلام، (2000) جدید فقہی مسائل۔ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا۔ جلد 1، صفحہ 55
- 15 احمد، ممتاز، (2010) انڈیا میں اسلامی فکری ادارے اور سماجی تبدیلیاں۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔ جلد 2، صفحہ 120
- 16 اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، (2017) 27 ویں فقہی سیمینار کی تجاویز و فیصلے بذریعہ IFA پبلیکیشنز۔ جلد 1، صفحہ 42
- 17 حمید، شادی، (2014) سیمینار آف یور: اسلامک مسٹس اینڈ ال لبرل ڈیموکریسی۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔ جلد 1، صفحہ 260
- 18 قاسمی، مجاہد الاسلام، (2000) جدید فقہی مسائل۔ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا۔ جلد 1، صفحہ 112
- 19 ندوی، ابوالحسن علی، (2010) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر۔ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام۔ جلد 1، صفحہ 165
- 20 مودودی، ابوالاعلیٰ، (2015) پردہ۔ اسلامک پبلیکیشنز۔ جلد 1، صفحہ 118
- 21 بین الاقوامی اسلامی فقہ اکیڈمی، (2010) قراردادات و سفارشات۔ آئی آئی ایف اے پبلیکیشنز۔ جلد 1، صفحہ 25
- 22 ایپوزیٹو، جان، (2016) اسلام اینڈ ڈیموکریسی: افیڈ دی عرب اسپرنگ۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔ جلد 1، صفحہ 135
- 23 نصر، سید حسین، (2010) اسلام اور جدیدیت کے چیلنجز۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔ جلد 2، صفحہ 110
- 24 رمضان، طارق، (2004) ویٹرن مسلمان اینڈ دی فیوچر آف اسلام۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔ جلد 1، صفحہ 215
- 25 رائٹ، مارگریٹ، (2012) تعلیمی نفسیات اور صنفی تفریق۔ رولینج۔ جلد 1، صفحہ 85

- ²⁶ سیکس، لیونارڈ، (2005) والی جینڈر میٹرز: واٹ پیرنٹس اینڈ ٹیچرز نیڈ ٹو نو۔ براڈوے بکس۔ جلد 1، صفحہ 42
- ²⁷ سیلس، والٹر، (2010) جینڈر اینڈ ایجوکیشن: اے سوشیولوجیکل پرسپیکٹیو۔ پالکریو میکملن۔ جلد 2، صفحہ 130
- ²⁸ ندوی، محمد اکرم، (2015) مسلم سوسائٹی اینڈ ماڈرن ایجوکیشن۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔ جلد 1، صفحہ 160
- ²⁹ کورو، احمد، (2009) سیکولرزم اینڈ اسٹیٹ پالیسیز۔ کیمبرج یونیورسٹی پریس۔ جلد 1، صفحہ 140
- ³⁰ سیلز، والٹر، (2010) جینڈر اینڈ ایجوکیشن۔ پالکریو میکملن۔ جلد 2، صفحہ 155
- ³¹ سیکس، لیونارڈ، (2005) والی جینڈر میٹرز۔ براڈوے بکس۔ جلد 1، صفحہ 68
- ³² ندوی، رابع حسنی، (2018) مسلمانوں کا نظام تعلیم۔ دار عرفات۔ جلد 1، صفحہ 145
- ³³ رمضان، طارق، (2004) ویسٹرن مسلمز اینڈ دی فیوچر آف اسلام۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔ جلد 1، صفحہ 205
- ³⁴ مودودی، ابوالاعلیٰ، (2015) پردہ۔ اسلامک پبلیکیشنز۔ جلد 1، صفحہ 155
- ³⁵ ابن عابدین، (1992) رد المحتار علی الدر المختار۔ دار المعرفہ۔ جلد 1، صفحہ 405
- ³⁶ ایپوزیٹو، جان، (2024) اسلام اینڈ دی چیلنج آف ماڈرنٹی۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔ جلد 2، صفحہ 210
- ³⁷ رمضان، طارق، (2004) ویسٹرن مسلمز اینڈ دی فیوچر آف اسلام۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔ جلد 1، صفحہ 235
- ³⁸ الزحلی، وہبہ، (2002) الفقہ الاسلامی وادلتہ۔ دار الفکر۔ جلد 4، صفحہ 180
- ³⁹ تقی عثمانی، محمد، (2015) فقہی مقالات۔ مبین اسلامک پبلشرز۔ جلد 3، صفحہ 112
- ⁴⁰ حمید، (2014) سیمپٹیشنز آف پاور۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔ جلد 1، صفحہ 295
- ⁴¹ نصر، سید حسین، (2010) اسلام اور جدیدیت کے چیلنجز۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔ جلد 2، صفحہ 145
- ⁴² احمد، ممتاز، (2010) انڈیا میں اسلامی فکری ادارے اور سماجی تبدیلیاں۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔ جلد 2، صفحہ 140
- ⁴³ بیات، آصف، (2023) پوسٹ اسلامزم۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔ جلد 1، صفحہ 255
- ⁴⁴ حمید، (2014) سیمپٹیشنز آف پاور۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔ جلد 1، صفحہ 310
- ⁴⁵ قاسمی، مجاہد الاسلام، (2000) جدید فقہی مسائل۔ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا۔ جلد 1، صفحہ 195
- ⁴⁶ مودودی، ابوالاعلیٰ، (2015) تعلیمات۔ اسلامک پبلیکیشنز۔ جلد 1، صفحہ 185
- ⁴⁷ الزحلی، وہبہ، (2002) الفقہ الاسلامی وادلتہ۔ دار الفکر۔ جلد 4، صفحہ 360